

اک لوح پہ بیٹھے رات یکجا جو لکھے
تھی نام کی میرے بات یکجا جو لکھے
کل منزلِ حرف ہی میں رہ کر میں نے
قرآن کے مفردات یکجا جو لکھے

کتابی دُنیا دہلی

رباعیاتِ صادقین

(خطّاط)

صادقین

RAMPUR RAZA LIBRARY
53834
22/1/08

کتابی دنیا

RUBAIYAT-E - SADIQAIN

(URDU POETRY)

by

SADIQAIN

(KHATTAT/CALLIGRAPHER)

Year of Edition: 2005
ISBN:81-87666-98-6
Price Rs. 80/-

نام کتاب .... رباعیات صادقین (خطاط)

مرتبہ .... صادقین

سنہ اشاعت ۲۰۰۵ء

قیمت ۸۰/روپے

مطبع .... کاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by:

Kitabi Duniya

1955,Turkman Gate Delhi-6 (INDIA)

E-mail kitabiduniya@rediffmail.com

Mobile:9313972589 Phone: 23288452

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوٹ:-

یہ بے اندوہ فقیر صادقین ''پیش لفظیہ'' تکلف سے یوں پھر سے احتراز کر رہا ہے کہ مبادا اپنی تعلیات اور شیخیات کا اور بڑھ بڑھ کر اپنی ماری ہوئی ڈینگوں کا کوئی گھڑ کر جواز نہ پیش کر بیٹھے۔ یقیناً پسِ پردۂ تعلیات ''میں'' ''میں'' اور بار بار میں کے گلے پر چھری پھیرنے کے کچھ نہ کچھ خارجی محرکات ہوں گے جن کے اجمال میں بھی جا کر فی الحال یہ فقیر اپنا اور آپ کا قیمتی وقت خراب نہیں کرنا چاہتا۔ اس تعلیات کا سلسلہ حمد یہ رباعیوں میں بھی اپنی ذات ہی کے حوالے سے شروع ہوتا ہے اور اس کتیچیہ کے اوراق میں رشتۂ مسلسل کے طو پر آخر تک جاری و ساری چلا جاتا ہے۔

گذشتہ چند برس میں، معاملات خلوت سے لیکر مکالماتِ جلوت تک اور نظریاتِ فطرت سے لے کر مشاہداتِ قدرت تک جملہ موضوعات پر رباعی گوئی کا سلسلہ جاری رہا ہے اور مجموعی طور پر جمالیاتی رباعیات سے جلالیاتی رباعیات تک مسلسل کہیں سطور میں اور کہیں بین السطور میں منافقت کے خلاف اعلانِ جنگ کا تار پرویا ہوا ہے۔

اس کتیچیہ میں صرف فنِ خطاطی کے تجربے پر مشتمل، کرۂ ارض کے اہل بنیش کے تاثر کی محکم بنیاد پر اور مفاد پرست مصلحت بینوں کے ردِ عمل سے متعلق چند رباعیات ہیں جن کی تعداد تقریباً کوئی ڈھائی سو ہوگی۔ جن کی تالیف و ترتیب صرف ایک دن اور ایک رات میں انتہائی اہم اور بے حد ضروری مصروفیات کو نظر انداز کر کے یارانِ باصفا کی تفننِ طبع کی خاطر اس موقع پر کر دی گئی ہے جب کہ اس عاصی فقیر کی چند تازہ بہ تازہ نو بہ نو خطاطیاں کسی اسلامی ملک میں منظر شہود پر آنے کے لئے لاہور سے جانے والی ہیں۔

یہ بے اندوہ فقیر عاصی صادقین عفی عنہ اس بات کا بھی ان چند سطروں میں اظہار کر دینا اپنا روحانی اور اخلاقی فریضہ خیال کرتا ہے کہ مُبادا اس کی بات سے کوئی غلط تاثر قائم نہ ہو کہ یہ بندۂ عاجز زاہدا سنے باصفا، اہلِ اتقا اور عالمان سے آئینہ قلب کا انتہائی احترام کرتا ہے اور برصغیر ہندو پاک میں شہر لاہور کو خطاطی و کتابت کا عظیم ترین مرکز ہمیشہ سے مانتا چلا آرہا ہے۔ ظاہر ہے کہ رتبہ لاہور کو یہاں کے ماہرینِ فن کی بدولت ہی حاصل ہے جو اس ضمن میں کمالِ فن کی چوٹیوں کو سر کرتے رہے ہیں۔ ان اہلِ کمال کے لیے اس کا دل عقیدت اور عزّت کے جذبات سے لبریز ہے، اس کے ساتھ ہی ساتھ فقیر اس بات کا بھی اظہار کرتا ہے کہ روایت پرست ہونے کے ساتھ ساتھ زمانوں کے بدلتے ہوئے سماجی اور معاشی انداز کے ساتھ ہی ساتھ ان کے پس منظر میں جمالیاتی اقدار بھی متغیر ہوتی ہیں، لہذا روایت میں تخلیق واختراع وایجاد کا قائل ہے کہ بغیر اس کے روایت جمود کا شکار ہو جاتی ہے اور روایت میں بغیر نئی اختراعات وایجادات کے مستقبل کی طرف حرکت پیدا نہیں ہوتی۔

جملہ فنون کی تاریخ میں جو بڑے بڑے اہل کمال گذرے ہیں، جن میں مائیکل انجلو اور غالبؔ اور دیگر اسی انداز کے باکمال بندگانِ خدا شامل ہیں، خود کو ان کی نعلین کی گرد سے بھی کم تر سمجھتا ہے۔

پرانے بزرگوں کا طریقہ تھا کہ جب وہ کوئی رُقعہ تحریر فرماتے تھے تو اپنے نام سے پہلے کچھ انکسارانہ الفاظ لگا دیتے تھے، اور بعض اوقات یہ بھی کوشش ہوتی تھی کہ نام اُن کا ہم قافیہ بھی ہو جائے۔ یہ لفظ، کمترین، احقر، ناچیز خادم وغیرہ قسم پر مشتمل ہوتے تھے، اسی روایت کے تحت اس شہر یاروں کے رقیب مسکین وغریب، آیات کے کاتب بندۂ مرزا اسداللہ خاں غالبؔ دنیوی طریقے میں کنگال، روحانی سلیقے میں مالا مال، مضطر، بے کل، بے چین، نجیب الطرفین، فقیر عاصی صادقین عفی عنہ بھی کچھ اپنے ''القابات'' کتاب کے آخر

میں درج کرادیئے ہیں، جو اکثر و بیشتر اس نے سنا کہ خانقاہوں کے کونوں بچالوں اور فن کے مدرسوں کے گوشوں اور کھدروں میں قوم ثمود کے زر پرست افراد جو" سورۃ الھُمزۃ مکیۃ " کا مطالعہ نہیں کرتے۔

فقیر کو اس نوع کے "القابات" سے نوازتے رہتے ہیں، رباعیات کی اس کتیچیہ کے آخر میں ان "القابات" کا جو زیادہ نہیں ہیں، سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور فقیر نے انہیں عربی زبان میں درج کرادیا ہے۔ مگر ان کے اوپر پیشانی پہ خفی حروف میں "العاجز الفقیر الی اللہ" اپنی طرف سے لکھوادیا ہے۔ فرقۂ ملامتیہ کے ادنیٰ فرد کی حیثیت سے، جب منافقانہ سانچے اور باطلانہ فرمے میں ڈھلی ہوئی تہذیب کے معیارِ اخلاق پر اسے جانچا جائے گا تو بدتمیز ثابت ہوگا۔

خیر بدتمیز سہی ہے تو سچا، جھوٹ تو نہیں بولتا، اور مولیٰ کے کرم خاص سے ان وہمیوں میں سے نہیں ہے جو خود کو پاک اور باقیوں کو ناپاک متصور کرتے ہیں، وہ وہمیوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، جس کا ہر فرد خود کو ناپاک اور باقی تمام لوگوں کو پاک سمجھتا ہے۔

عاصی فقیر صادقین عفی عنہ

کوہِ ایوانِ لاہور

ایک اور نوٹ:

ابتدائی رباعیات حمدیہ ہیں جو کہ حامد ہی کی ذات کے حوالے سے ہیں اس کے بعد اپنی ہی ہستی کے پس منظر میں خطاؔطی کے تجربے پر مشتمل رباعیات ہیں اُس کے بعد عریانی کے نقطۂ نظر پر اور پھر کچھ اپنی ہی شان میں۔ اس چھوٹی سی چند رباعیوں کی کیتچیہ کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے اور پھر ہر باب کا عنوان ایک پورے صفحے پر لکھنا کیتچیہ کے لئے چھوٹا منہ اور بڑی بات کا مصداق ہو جائیگا لہذا عنوانات کی فہرست اور ابواب کے نام درج کرنے سے احتراز کیا گیا ہے۔

کب ہیں رقّش ہمام کے لکھنے والے
حرفوں کو ہیں دل تھام کے لکھنے والے
تختی پہ شبانہ روز، خونِ دل سے
ہم تو ہیں ترے نام کے لکھنے والے

یہ حسن پرستی جو ہے، کوہی کو ہے
ہاں رنگ ہی رنگ ہے تو بوہی بو ہے
آئینے ہی آئینے ہیں، میرے دل میں
اور کون ہے آئینوں میں؟ تو ہی تو ہے

مجھ کو لوح و قلم ہے دیتا مِرا رب
ابجد کا جمالِ رم ہے دیتا مِرا رب
چھپر میں ہوں اور پھاڑ کے چھپر مجھ کو
آیات کے پیچ وخم ہے دیتا مِرا رب

خط میں مرے پنہاں ہے جو اک رازِ حیات
آ کان میں، مَیں تجھ کو بتادوں وہ بات
یہ ہاتھ پکڑ کر مرا جیسے کہ ہوں طِفل
لکھواتی مشیّت ہی ہے مجھ سے آیات

نازِل یہ قلم کس پہ ہے؟ مجھ جیسے پر
اور لوح کا دَم کس پہ ہے؟ مجھ جیسے پر
مَولٰی کے کرم کا بھی نہیں کوئی اصول
مَولٰی کا کرم کس پہ ہے؟ مجھ جیسے پر

دشمن کو تو دی دام و دِرَم کی دَولت
اور ہم پہ بکھیر دی کرم کی دَولت
دی اتنی سمیٹے سے سمٹتی ہی نہیں
مَولٰی نے ہمیں لوح و قلم کی دولت

ساقی نے ہمیں ساغرِ جم بخشے ہیں
ہاتھوں میں سیہ زلف کے خم بخشے ہیں
مولیٰ نے حسینوں سے وفا کے بدلے
دُنیا میں ہمیں لوح و قلم بخشے ہیں

زُلفوں کے جو دل ہے سلسلے میں ساقی
مکھڑے ہیں درِ دل کے دلے میں ساقی
مولیٰ نے ہمیں لوح و قلم بخشے ہیں
اس حسن پرستی کے صلے میں ساقی

مولیٰ نے عدَم رکھ دیا، میرے آگے
دی لوح، قلم رکھ دیا میرے آگے
اک کوُن دیا، کوزے میں بھرنے کے لئے
ایک بحرِ کرم رکھ دیا میرے آگے

رحمت کی کڑی دھوپ میں لیٹوں مَولیٰ!
رومال میں خِرمَن کو لپیٹوں مَولیٰ!
اب اور مجھے بخش کر حیران نہ کر
دے اتنا کہ جتنا میں سمیٹوں مولیٰ!

عاشق کے لیے رنج و الم رکھے ہیں
شاہوں کے لیے تاج و عَلَم رکھے ہیں
"میرے لئے کیا چیز ہے؟" میں نے پوچھا
آئی یہ صدا "لوح و قلم رکھے ہیں"

حُسن قدِ خوباں کے علَم بخشے ہیں
ہر نقش میں زلفوں ہی کے خم بخشے ہیں
عرفانِ جمال کے خزانے دے کر
مَولیٰ نے ہمیں لوح و قلم بخشے ہیں

زاہد کو بتا دے یہ ضرور اے مَولٰی
دونوں میں ہے کس بات میں نُور اے مَولٰی؟
مَے پی کے اگر جو انکساری آئے
یا پڑھ کے نمازوں کو غرور اے مولٰی

تو مجھ کو بتا دے یہ ضرور اے مَولٰی
کِس چیز میں ہے حُسن سطور اے مَولٰی!
زاہد کی کتابت تو ہو گھنجلک، لیکن
تحریر میں میکش کی ہو نُور اے مَولٰی!

قطرے میں ہے بحرِ بیکراں کی تعریف
ذرّے میں ہے ربِّ لامکاں کی تعریف
خود اپنے قصیدے جو میں لکھتا ہوں جناب!
یہ بھی ہے خداوندِ جہاں کی تعریف

فنکاری جو صبح و شام کرتا میں ہوں
پھر شغل مَے و جام جو کرتا میں ہوں
واللہ کہ ہوں داد خدا کو دیتا
اچھا سا کوئی کام جو کرتا میں ہوں

لکھے ہیں فقیر نے جو شاہی الفاظ
یوں کرتے ہیں دُزدیدہ نگاہی الفاظ
حُسنِ لب و رُخسار کا ہے لوح پہ رنگ
اور ہیں خمِ گیسو کی سیاہی الفاظ

اَبجُد میں جو ہے فضلِ الٰہی اے شیخ!
مہ پاروں کی ہے نیم نگاہی اَے شیخ!
یہ اُن کے ہی گیسوؤں کے پیچ و خم ہیں
اور اُن کی ہی زلفوں کی سیاہی اے شیخ!

مکھڑوں کی شعاؤں میں جو لکھتا میں ہوں
زُلفوں کی گھٹاؤں میں جو لکھتا میں ہوں
یُوں لوح ہی اَبیض اور عبارت اَسود
دن رات فضاؤں میں جو لکھتا میں ہوں

دل پہلے تو سُوف میں کیا ہے تبدیل
لفظوں کے ظروف میں کیا ہے تبدیل
پھر اُس خمِ کاکُل کا تصوّر میں نے
لوحوں پہ حروف میں کیا ہے تبدیل

تلِ رُخ پہ نہ ہونے کا یہ شکوہ تیرا
اے شوخ! کہوں حُسن ہے کیسا تیرا؟
ان میں بھی نہیں نقطہ، نہ اِس پر تِل ہے
کلمہ ہے، درود ہے، یہ مکھڑا تیرا

اک شوخ کے دیکھے خَط، رباعی لکھی
ناقِد نے کہا "غلط رباعی لکھی
تھا وہ رخِ بے خال تو میں نے اس کی
توصیف میں "بے نقّط" رباعی لکھی

اب مجھ کو نگاہوں میں سمونا تِل ہے
اب دل کے چمن میں مجھے بونا تِل ہے
بِسم اللہ میں جس طرح ہو نقطہ ایسے
اس سانولے مکھڑے پہ سلونا تِل ہو

خط رُخ کے انوکھے ہیں نرالا تِل ہے
خطّاط کا دِل موہنے والا تِل ہے
جیسے ہو کسی حرف میں نقطہ' کچھ یوں
اُس شوخ کے رُخسار پہ کالا تِل ہے

اَغیار تو بَس رنگِ صَنم دیکھتے ہیں
وہ حسنِ حقیقت کو تو کم دیکھتے ہیں
وہ تو فقط صورت پہ جماتے ہیں نظر
صُورت کا جو مفہوم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں

تجھ میں ہے جمالِ خوش خطی کو دیکھا
معنی سے وصالِ خوش خطی کو دیکھا
لوحِ رُخ پر، حروفِ خال و خَد میں
قُدرت کے کمالِ خوش خطی کو دیکھا

ہم حُسن پرستوں کی شریعت ساقی!
اس میں ہے یہی طرزِ عبادت ساقی!
ہم نے خد و خال مَیہ وَ شاس میں کی ہے
آیاتِ جَمال کی تلاوت ساقی!!

ہم نے تو جمالِ ماورا کو دیکھا
اور اُس نے گنہ کی انتہا کو دیکھا
ہاں شیخ نے شیطان کو، لیکن ہم نے
صورت میں حَسینوں کی خدا کو دیکھا

ہر حَرف میں مہ پاروں کے قَد بنتے ہیں
لوحوں پہ وہ اک حُسن کی حَد بنتے ہیں
کاکُل کے خیال ہی میں لکھتا ہوں مَیں لام
اَبرُو کے تصوّر میں ہی مَد بنتے ہیں

کتنی حَسیں بنتی ہے دکھاتا مَیں ہوں
کِس چاؤ سے پھر قلم چلاتا مَیں ہوں
ان نرگسی آنکھوں کا تصوّر کرکے
جب چشمِ صواد کو بناتا مَیں ہوں

اُس ہستیِ مُتجلّی سے وِرثے میں مِلا
اللہ کے اُس وَلی سے ورثے میں مِلا
قُرآن کی آیات کو لکھنے کا یہ شوق
مجھ کو حضرت علیؓ سے وِرثے میں مِلا

کہتے لوح و قلم تو عالی ہیں مجھے
دیتے مگر اُستاد تو گالی ہیں مجھے
خطّاطی میں، پشتوں کا بھی گر رکھوں حساب
چودہ صدیاں گذرنے والی ہیں مجھے

اُن کی تو یہ عرفانی منازل میں سے ہے
اور میرے بھی وجدانی مراحِل میں سے ہے
خطّاطی مَیں کرتا ہوں کہ یہ بھی اے دوست!
اسلاف کے روحانی مشاغِل میں سے ہے

میں یعنی کہ صادقین، جس کو نہیں چین
منجملۂ ساداتِ نجیب الطرفین
خطّاطی صَنم کدوں میں کرتا ہی رہا
اور پھر میں روانہ ہوا سُوئے حرَمین

تعلیق کے اور نسخ کے خَم، دونوں کو
لوحوں پہ ملایا ہے بہم دونوں کو
خطّاطی میں یوں ایک کیا ہے مَیں نے
اے دوست! عرب اور عجم دونوں کو

حاسد کا تو تُو چھوڑ خیال اے ساقی!
پر اہلِ نظر، صاحبِ حال اے ساقی!
آیئنۂ خط میں مرے ہاں دیکھتے ہیں
یہ لوگ مشیّت کا جمال اے ساقی!

کاتِب اُجرت پہ خط کو ریحاں کردے
عارف اگر چاہے اُسے پیچاں کردے
حجّام کی باندھی ہوئی محبوب کی زلف
عاشِق ہی کو حق ہے کہ پریشاں کردے

آئینۂ تخلیق لیا ہے مَیں نے
مُوباف سے آزاد کیا ہے مَیں نے
خطّاطوں نے خطّاطی کا چُٹلا گس کر
باندھا جو تھا وہ کھول دیا ہے مَیں نے

کچھ وَصلیاں میں اور سجالایا ہوں
بالکل ہی نئے جوڑ بنا لایا ہوں
اُستادوں کی جِس قیدِ ریاضی میں تھے وہ
اُس قید سے اَبجد کو چھڑا لایا ہوں

گھر لوح کا آباد کیا ہے اے دوست!
اِک خَط نیا ایجاد کیا ہے اے دوست!
اُستادوں نے ابجد کو مقیّد تھا کیا
میں نے اُنہیں آزاد کیا ہے اے دوست!

میں فیلِ ہوس پہ دِل کو ہودہ کرلوں
سر سبز وہیں حرص کا پودا کرلوں
زردار کی گر دَولتِ ناجائز میں
خطاطی آیات کا سودا کرلوں

کرتی جو تمیز ہے تو وہ ہے تشدید
واجِب جو چیز ہے تو وہ ہے تشدید
ہاں جُملہ ہی اعراب میں، سب سے بڑھ کر
مجھ کو جو عزیز ہے تو وہ ہے تشدید

یہ مُجھ میں جو اک عالمِ بے چینی ہے
دورانِ لہو میں رمِ بے چینی ہے
ہر نقش میں اک گردشِ بیتابی ہے
ہر حرف میں پیچ و خمِ بے چینی ہے

خطّاطی ہمارا ہے رواج اے مَولیٰ!
نقّاشی بھی اپنا ہے مزاج اے مَولیٰ!
بیتابیِ دل دی ہے تو پیدا کرتا
بیتابیِ دل کا بھی علاج اے مَولیٰ!

جو مُجھ پہ گذرتی ہے سناؤں کیوں کر؟
جس آگ میں دِل ہے وہ بجھاؤں کیوں کر؟
آورد کی تکلیف کے واقف کارو!
آمد کا تمھیں کرب بتاؤں کیوں کر؟

جو نقش تھے پامال بنائے میں نے
پھر اُلجھے ہوئے بال بنائے میں نے
تخلیق کے کرب کی جو کھینچی تصویر
تو اپنے خد و خال بنائے میں نے

مَیں روک کے ہاتھ بھائی! خوش خط لکھتا
ہوتی جو یہ شے پرائی، خوش خط لکھتا
بالفرض یہ ابیات نہ ہوتیں میری
میں اِن کو پھر انتہائی خوش خط لکھتا

ہاں حُسن اور عشق پر ہیں لکھے اشعار
فی الفور ہی بیشتر ہیں لکھے اشعار
معنی نہ کہیں خوش خطی سے دب کر رہ جائیں
بولے مَیں نے گھسیٹ کر ہیں لکھے اشعار

ہَر چَند ہوں خطّاط پر اپنا دیوان
مَیں نے بہت سادہ ہے بنایا دیوان
رہ جائے نہ زور خوش خطی پر زندہ
یوں خطِ شکست میں ہے لکھا دیوان

صُورت کا مرے قلم میں قَط لگتا ہے
پڑھنے میں ہر اک لفظ غلط لگتا ہے
اور دیکھنے میں میرا یہ طرزِ تحریر
اک بندۂ اللہ کا خط لگتا ہے

صُورت سے معانی کہ ہیں بڑھ کر اے دوست!
وَرنہ تو خُرافات بھی اکثر اے دوست!
لکھوں جو گھسیٹ کے تو پھر بھی مرا خَط
غالبؔ کی ہو خوش خطی سے بہتر اے دوست!

کیا مُو قلم ہی میرا فقط اچھا ہے
میرا قلم اور اِس کا یہ قَط اچھا ہے
ہاں قطع نظر اِس سے کہ معنی کیا ہیں
غالبؔ سے یقیناً مرا خط اچھا ہے

ہرگز نہ خرافات کی خطّاطی کر
بہتر ہے کہ آیات کی خطّاطی کر
لِکھ اپنی رُباعیاں شکستہ خَط میں
غالبؔ کی غزلیات کی خطّاطی کر

کاغذ پہ رُباعیاں جو لکھتا ہوں کہیں
پھر ان کی کتاب مَیں بناتا ہوں وہیں
کاتِب کا تو دیوان کی تالیف کے وقت
غالبؔ بھی تھا محتاج مگر مَیں تو نہیں

مَے کو اور مَے کی بَط کو بدلا مَیں نے
یعنی کہ قلم کے قَط کو بَدلا مَیں نے
اُس نے تو صحابہؓ کی تھی بَدلی تحریر
ابنِ مُقلہ کے خَط کو بَدلا مَیں نے

اک تازہ رَوِش پر جو مَیں چل دوں تو ہے کیا
زُلفِ اَبجد کو تازہ بَل دوں تو ہے کیا
اُس نے تو تھی اَصحاب کی بَدلی تحریر
یا قوتؔ کے مَیں خط کو بَدل دوں تو ہے کیا

فَن ہے تخلیق و اختراع و ایجاد
نقل و تقلید سے میں یوں ہوں آزاد
خطاّطی میں، شاعری میں، نقاّشی میں
آپ اپنا ہوں شاگرد، خود اپنا اُستاد

نقل و تقلید کر رہے ہیں اُستاد
یوں مُجھ سے ہیں برہم کہ ہمیشہ ہم زاد!
مَیں فَن کی روایت میں بزورِ تخلیق
کرتا رہتا ہوں اختراع و ایجاد

ابنِ مُقلہ وَزیر نے بھی خِدمت کی ہے
یاقوتؔ امیر نے بھی خِدمت کی ہے
پھر پَردۂ لولاک میں، خطّاطی کی
تھوڑی سی فقیر نے بھی خِدمت کی ہے

گشتی کا، قلم و لوح کی، کھینا کیا ہے
لکھ کر مجھے یاقوتؔ کو دنیا کیا ہے
خطّاطی میں کرلیتا ہوں اپنی جیسی
ابنِ مُقلہ سے مجھ کو لینا کیا ہے

خطّاطی کا اَبرو ہے دکھایا تم کو
نقّاشی کا گیسُو ہے دکھایا تم کو
اک کرّہ تخلیق تھا دل میں، جِس کا
اک آدھ ہی ٹاپُو ہے دکھایا تم کو

بخشش کا سفینہ حق جو کھے کر آیا
خرمن تھا، میں واپس وہیں دے کر آیا
اور تنگیٔ داماں کے سبب سے تم تک
اک دانۂ مَوہُوم ہوں لے کر آیا

ہے دُور کا شاہی سے علَم سے رشتہ
خطّاطی کا دیرینہ ہے ہم سے رشتہ
اُف کتنا وہ نازک ہے نہ پوچھو ہم سے
اَبجد کا جو ہے لوح وقلم سے رشتہ

مَد جب بنیں تو داب کے حلوہ کھانا
خَط بعد ہیں اعراب کے حلوہ کھانا
خطاّطیات لکھ کر ہے بنانا اشکال
لوہے کے چنے چاب کے حَلوہ کھانا

خطاّطی کے جامے جو سیئے ہیں مَیں نے
تو سَرقوں پہ کچھ سر قے کیئے ہیں مَیں نے
زُلفوں سے حَسینوں کی چُرا کر کچھ خم
اَبجَد کے حروف کو دیئے ہیں مَیں نے

اَبجَد کے جو ملَبوس سیئے ہیں میں نے
خرچے جو تھے وہ پورے کیئے ہیں میں نے
زُلفِ خوباں سے قرض لے کر اکثر
حرفوں کو خمِ پیچ دیئے ہیں میں نے

کب گلشنِ مانؔی میں خراماں اب ہوں
کب قصر میں بہزاؔد کے مہماں اب ہوں
مَیں خانۂ خیّاؔم میں حیراں ہو کر
یاقوؔت کے کوچے میں پریشاں اب ہوں

اک فنّی تلوّن جو ہے مجھ خاطی میں
ابجد کی ہوں پوشاک کی خیّاطی میں
خانے میں رُباعی کے مَیں رُسوا ہو کر
آوارہ ہوں اب کوچۂ خطّاطی میں

پاتے ہی اشارہ ذوالجلالی مَیں نے
پھر لے کے قلم، لوح اُٹھالی مَیں نے
اور اُس پہ لکھیں، خونِ جگر سے اپنے
آیاتِ جلالی و جمالی مَیں نے

ہر شب میں ہی تصویر دکھاتا میں ہوں
خطّاطیاں ہر روز بناتا میں ہوں
مَولیٰ سے جو جوہر کا مِلا تھا مجھے قرض
وہ اِس طرح مع سُود چکاتا میں ہوں

لکھنے کی جو توفیق دے قدرت اُستاد!
میں لوح پہ پھر لکھتا ہوں آیت اُستاد!
تو بُرّشِ مِقراض دکھاتا ہے جنہیں
وہ تو ہیں خَمِ زلفِ مشیت اُستاد!

اُستاد تو سِکّوں کو گِنا کرتے ہیں
ہم لوح پہ آیات لکھا کرتے ہیں
پھر پیچ و خم زُلفِ مشیّت کا جناب!
لوحوں پہ شمار ہم بھی کیا کرتے ہیں

تخلیق کے سَقف و بام پاٹے جائیں
یاقوتؔ کے پَس خوردہ کو چاٹے جائیں
مخلوقِ خدا چوم رہی ہے مرے ہاتھ
کاتب مگر کہتے ہیں یہ کاٹے جائیں

شہبازِ نبیؐ چرخ پہ منڈلایا تھا
اک پَل کو نظر اُس کا جو پَر آیا تھا
تو چاہِ ابوجہل کا بوڑھا مینڈک
کہتے ہیں بڑے زور سے ٹرّایا تھا

اَبجَد میں قدم رنجا کیۓ جاتے ہیں
ہر حَرف کا سَر گنجا کیۓ جاتے ہیں
یوں گُھور کے دوشیزۂ خطّاطی کو
کاتِب جو ہیں استنجا کیۓ جاتے ہیں

تقلید میں بیباک ہیں راستے اُستاد
تخلیق کا غم خاک ہیں سہتے اُستاد
خود کو وہ سمجھتے ہیں نہایت طاہر
لیکن مجھے ناپاک ہیں کہتے استاد

اک لوح پہ مَیں نے راستے یکجا جو لکھے
تھی نام کی میرے بات یکجا جو لکھے
کل منزلِ حرف ہی میں رہ کر مَیں نے
قرآن کے مُفردات یکجا جو لکھے

جو ہے ترے سامنے یہیں ہے، اے شخص!
اِس نام کا کوئی بھی کہیں ہے اے شخص!
اک پیر نے صادِقین رکھا میرا نام
یہ میرا تخلّص تو نہیں ہے اے شخص!!

خود اپنے طریقے میں قلندر مَیں ہوں
خود اپنے سلیقے میں ہُنروَر میں ہوں
خو اپنے بنائے ہوئے آئینوں میں
خود گیر ہوں، خود نِگر ہوں، خود گر مَیں ہوں

کافی ہے کیا غور، نہیں ہے کوئی
مجھ جیسا بہر طور نہیں ہے کوئی
جو کچھ بھی مرا نام ہے، حد تو یہ ہے
اِس نام کا بھی اور نہیں ہے کوئی

مُفرد جو ہیں حَرف، ان کا یہ قانون بھی ہے
ترتیب سے آیات کا مضمون بھی ہے
اُن میں جو مرے نام کے ہیں ٹھوس حروف
اک صواد ہے، اک قاف ہے، اک نون بھی ہے

ہیں قاف سے خطّاطی میں پیدا اوصاف
اَبجد کا جمال جس کا کرتا ہے طواف
ؔبن مُقلہ ہو، یاقوتؔ ہو یا ہو یہ فقیر
ہم تینوں کے درمیانِ اَسما میں ہے قاف

گر اپنی ثنا عام نہیں دُنیا میں
پھر تو مجھے کچھ کام نہیں دُنیا میں
یکتائی کا دعویٰ فقط اِس بات پہ ہے
کوئی مرا ہمنام نہیں دُنیا میں

دن سے، نہ سحر و شام سے اپنے خوش ہوں
فَن سے ہی نہ میں کام سے اپنے خوش ہوں
یہ اور کسی کا نہیں اِس دُنیا میں
اِس واسطے میں نام سے اپنے خوش ہوں

"کے" اِس کا اگر اِسم تو اس کا "جَم" نام
اور بعض تو ہوتے ہیں بہت ہی کم نام
اک نام کے ہر گلی میں ہوتے ہیں کئی
میرا کوئی دُنیا میں نہیں ہے ہَم نام

دُنیا میں ہیں بے شمار و بے حَد نقوی
گِن سکتے ہیں اتنے ہیں سید نقوی
بَس نام کے اپنے تنِ تنہا تم ہو
اے سیّد صادقینؔ احمد نقوی!

کچھ تجھ کو خبر ہے صادقینِ مجوب!
سُنتا بھی ہے اِسم بامُسما، مجذوب!
ہاں جُملہ صِفات کے علاوہ ترا نام
لکھنے میں بھی، پڑھنے میں بھی، سُننے میں بھی ہے خوب

کیسا وہ اَنا کا فِتنہ ہوگا یارو!؟
جتنا ممکن ہے اِتنا ہوگا یارو!
جب نام سے ہی اپنے ہے اتنا مجھے پیار
پھر ذات سے اپنی کتنا ہوگا یارو؟

میں حُسن کی جِس انجمن ناز میں ہوں
جو کچھ بھی ہوں خود اپنے ہی انداز میں ہوں
خطّاط کے، شاعر کے ، مُصوّر کے سِوا
میں اور بہت کچھ ہوں مگر راز میں ہوں

نقّاش کہ خطّاط کہ شاعر؟ کیا ہوں؟
ساحِر کہ صَنم گر کہ مُصوّر؟، کیا ہوں؟
اِس اَمر پہ اکثر ہے کیا غور مگر
کچھ عقل میں آتا نہیں آخر کیا ہوں؟

آئینے جنون کو دکھاؤں کب تک؟
ہَستی میں سکون کو نہ پاؤں کب تک؟
آلامِ حیات کو کہاں تک جھیلوں؟
اور بارِ فنون کو اُٹھاؤں کب تک؟

جو خونِ جگر ہے وہ نکالوں کب تک؟
تخلیق کا اضطراب پالوں کب تک؟
اِس اپنے دلِ زار کی بے چینی میں
میں کربِ وجود کو سنبھالوں کب تک؟

جاناں کے جمال کا جو کچھ ہو ادراک
ہو جاتی ہے اظہار کی صورت بیباک
لیلائے خیالات کا تَن ڈھانپنے کو
ہیں طغرہ و تصویر و رباعی پوشاک

دیکھا قدَ و گیسو میں کمالِ محبوب
اُف کتنے حسیں ہیں خد و خالِ محبوب
یہ طغرہ و تصویر نہیں، لوحوں پر
ہے سایۂ سایۂ جمالِ محبوب

یہ دیکھ کے، رکھتا ہے خیالاتِ جدید
اِس کو زَرو دینار سے نفرت ہے شدید
پھر رُوح القُدس کے ہاتھ بھیجی تھی مجھے
اَبجد کے خزانے کی مشیّت نے کلید

مُنہ میں لئے اک چاندی کا چمچہ ساقی!
دُشمن ہوااک قصر میں پیدا ساقی!
اور چٹکی میں ابجد کے خزانے کی کلید
میں لے کے ہوں آفاق میں آیا ساقی!

نقّاشی کا سلسلہ کہ روز و شب ہے
خطّاطی کا مشغلہ بھی جاری اب ہے
قُدرت کی امانت ہے یہ جوہر میرا
میں اِس میں خیانت کروں؟ ممکن کب ہے؟

جالوں سے لکیروں کے جو میں شام و پگاہ
ابیض جو تھے قرطاس وہ کرتا تھا سیاہ
کرتا ہی رہا، گردشِ ایّام نے پھر
اک بال مرا کر دیا چِٹّا ۔ ناگاہ

پَردے جو عدَم کے ہیں اُٹھا دوں اے کاش
ہر نقش وجود میں دکھا دوں اے کاش
تخلیق کا بے حِساب مجھ پر ہے حِساب
مَر جانے سے پیشتر چکا دوں اے کاش

دن رات جو میں اپنے کمالات میں ہوں
اے حورِ اَجل، تیرے خیالات میں ہوں
اک توہی کرائے گی رہائی میری
میں فَن کی پَری کی جو حوالات میں ہوں

پھر یہ کیا رنگوں کا جھمیلا میں نے
اُس تیل سے فن کا کھیل کھیلا میں نے
اِس اپنے بدن کی ہڈیوں کو دن رات
تخلیق کے کولھو میں ہے پیلا میں نے

پھر جا کے کہیں نقش بنایا میں نے
اُس نقش میں پھر رنگ لگایا میں نے
اِسے خونِ جگر میں، ہڈیوں کا اپنی
جب تیل نکال کر ملایا میں نے

پتھر پہ ہوں گندہ حرف گہرا میں ہوں
جو وقت نے اُس میں بھرا سیسہ میں ہوں
جتنا کہ مٹاتی ہے یہ دُنیا مجھ کو
اُتنا ہی جلی ہو کے چمکتا میں ہوں

سایہ ہے حسینوں کا خُدا کا سایہ
اس دل پہ ہے جس زُلف رَسا کا سایہ
اُس سائے کے مفہوم کے آگے بالکل
مُہمل سی ہے اک چیز ہُما کا سایہ

کب خود مری قوّت ہے ہلاتی مرا ہاتھ
ہاں غیب کی طاقت ہے چلاتی مرا ہاتھ
ظاہر میں قلم میں ہوں اٹھاتا، لیکن
لوحوں پہ مشیّت ہے گھماتی مرا ہاتھ

ہم نقش کو پیچیدہ کیا کرتے ہیں
اور حرف خمیدہ بھی لکھا کرتے ہیں
ایسا مگر کرنے سے ہمیشہ پہلے
گیسُوئے مشیّت کو چُھوا کرتے ہیں

نقّاشی ہے محبوب کہا کرتے تھے
خطّاطی ہے مرغوب کہا کرتے تھے
کچھ پہنچے ہوئے لوگ مجھے اے ناقد!
بچپن ہی میں مجذوب کہا کرتے تھے

خَط بن کے جو کاغذ پہ سنور تا میں ہوں
حرف ہو کے جولولوں پہ اُبھرتا میں ہوں
قدرت نے ہے جو راز چھپایا مجھ میں
اُس راز کو تم پہ فاش کرتا میں ہوں

تخلیق میں معتکف یہ ہونا میرا
اب تک شبِ ہستی میں نہ سونا میرا
خطاطی اُدھر ہے تو اِدھر نقّاشی
وہ اوڑھنا میرا یہ بچھونا میرا

دن رات ہو جب شام یا پَو پھوٹتی ہے
کُنّی مرے ہاتھوں سے نہیں چھوٹتی ہے
پھر کام سے دکھ جاتا ہے اِتنا مرا ہاتھ
روٹی کو جو توڑوں تو نہیں ٹوٹتی ہے

خاکوں کے قیود میں دکھاؤں گا وہ شے
رنگوں کی حدود میں دکھاؤں گا وہ شے
جو کچھ کہ عدم میں دیکھتا ہوں میں آج
کل تم کو وجود میں دکھاؤں گا وہ شے

بَنتا ہو تو اک پَل میں بنا کرتا ہے
کب سعیٔ مُسلسَل میں بنا کرتا ہے
تخلیق تو ہو جاتی ہیں آناً فاناً
شہکار تو دُھپکَل میں بنا کرتا ہے

تیرے لئے ہوں اپنے تئیں کچھ بھی نہیں
اپنے مجھے ہونے کا یقیں کچھ بھی نہیں
جو چاہئے تھا ہونا ۔مُقابل اُس کے
میں کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں

میری خود پر ہی نکتہ چینی پہ نہ جا
تو میری رہائش زمینی پہ نہ جا
ہوں اپنے مقام سے بخوبی واقف
اے شخص! مری خاک نشینی پہ نہ جا

ہر شے ہے حَسیں، اِس کا یقیں ہے مجھ کو
خود اپنی پرستش مرا دِیں ہے مجھ کو
یوں اپنی اَنا ہی کے اِس آئینے میں
خود بینی سے فُرصت ہی نہیں ہے مجھ کو

"میں کچھ نہیں" کہہ کر یہ اُبھرنا کیا ہے
اپنی عظمت سے یوں مُکرنا کیا ہے؟
یہ کوئے ادب میں اِنکساری میری
پابندئ تہذیب ہے، ورنہ کیا ہے؟

تحسین کے تُھے مجھے صائبؔ دیتا
شاباش مجھے عرفیؔ یا طالبؔ دیتا
خط کی مرے داد آج جوزندہ ہوتے
یا شاہجہاں دیتا یا غالبؔ دیتا

مُلّاؤں کے طوفان میں لکھتے اک نظم
وہ آخری دیوان میں لکھتے اک نظم
آج حضرتِ اقبالؒ جو زندہ ہوتے
تو خط کی مرے، شان میں لکھتے اک نظم

خود کو میں سگ گزیدہ لکھتا ہوں جناب
خود پر خود ہی جریدہ لکھتا ہوں جناب
دیتا نہیں احباب کو ہرگز زحمت
خو د اپنا ہی میں قصیدہ لکھتا ہوں جناب

جب راہرِوِ جادۂ خطّاطی ہے
الواح پہ آمادۂ خطّاطی ہے
حاسِد تو ہیں اُجرت کے غلام اور فقیر
کیا چیز ہے؟ شہزادۂ خطّاطی ہے

خطّاطی میں اک بات ہے نوری اے دوست!
تصویر نہیں کوئی اَدھوری اے دوست!
جو کچھ مرے کاموں میں کسر رہتی ہے
باتوں سے وہ کر دیتا ہوں پوری اے دوست!

نقّاشی کہ حد درجہ ہے مشکل اے دوست
خطّاطی میں بے حد ہیں مسائل اے دوست
باتوں کے بنانے کے ہُنر میں لیکن
مجھ کو یدِ طولیٰ تو ہے حاصل اے دوست!

جس پر ہر اک اُستاد تھا مرتا ساقی!
میں نے اُسے اک نظر جو دیکھا ساقی!
تو آن کی آن میں جواں ہوگئی پھر
خطّاطی کی وہ بوڑھی زُلیخا ساقی!

کہتی ہوئی "ہاں خدمتِ فن کر" اُبھری
خطّاطی کی بوڑھی لاش تن کر اُبھری
جیسے ہی کہا تھا "قُم بہ اِذنی" میں نے
دوشیزۂ خوبرُو وہ بَن کر اُبھری

قِسمت نے مجھے پیش کیا تھا کیا کیا
رَد کر کے مگر میں نے لیا تھا کیا کیا
مُجھ میں تو تھی اک خوئے قناعت ، ورنہ
مَولیٰ نے تو بندے کو دیا تھا کیا کیا

تاجِ نازک و پائے سختِ طاؤس
شاہیں ہوں نہیں پہنوں گا رختِ طاؤس
ٹوٹی ہوئی اِس چوکی کے بدلے مجھ کو
ٹھکراؤں گا ، تم دوگے جو تختِ طاؤس

اُستاد قوانین بتادیتے ہیں
شہ دولہ کے چوہوں کی سزادیتے ہیں
شاگرد کے جو ہر پہ بہت ہی کس کر
کنٹوپ اصولوں کے چڑھادیتے ہیں

جب توڑیں جو کہنہ تھیں قیود اے ساقی!
پارینہ اصولوں کی حدود اے ساقی!
تُڑوادیا یوں قدرتِ حق نے مجھ سے
خطّاطی پہ صَدیوں کا جمود اے ساقی!

اے شخص !نہ ہابیل نہ قابیل سے پوچھ
دریافت کر قرآن سے، انجیل سے پوچھ
لا ہُوتی صفات ہیں جو میرے فن کی
جبریل و عزازیل وسرافیل سے پوچھ

واقف نہ تو بو الہوس نہ اہلِ کیں ہیں
وہ کیوں مرے ایمان پہ نُکتہ چیں ہیں
خطّاطی و تصویر و رُباعی کیا ہیں؟
یہ حُسن پرستی کے اصولِ دیں ہیں

اَبجَد میں جمالِ نو کا عالَم آئے
خطّاطی کے میدان میں یوں ہم آئے
زُلفوں کی گھنی چھاؤں میں لکھنے کے سبب
حرفوں میں نئے پیچ نئے خم آئے

خطّاطی میں اک کیف و سرور آتا ہے
وہ حُسن بھی لوحوں پہ ضرور آتا ہے
مکھڑوں کے چراغوں کا تصوّر کرکے
لکھتا ہوں تو تحریر میں نور آتا ہے

میں نے تھی جگہ خالی تو لکھیں آیات
دیکھیں لٹیں جب کالی تو لکھیں آیات
آیات کو دیکھا تو بنائے مکھڑے
مکھڑوں پہ نظر ڈالی تو لکھیں آیات

مَہ پاروں کے گھیرے میں بھی لکھ سکتا ہوں
شام اور سویرے میں بھی لکھ سکتا ہوں
مکھڑوں کے تصوّر کے جلا کر میں چراغ
زلفوں کے اندھیرے میں بھی لکھ سکتا ہوں

بیٹھا ہوا میں جس پہ، لکھا کرتا ہوں صاف
اُس پر نہ تو ہے کھیس ، نہ چادَر نہ غِلاف
ابنِ مُقلہ و یاقوتؔ کی رُوحیں آ کر
ٹوٹی ہوئی اُس چوکی کا کرتی ہیں طواف

مکّے میں تو ہر جسم کا جاکر ہُوا حج
صدیوں میں کسی کا حجِ اکبر ہوا حج
کر کے مری ٹوٹی ہوئی چوکی کا طواف
رُوحِ یاقوتؔ کو میسّر ہوا حج

مُجھ آدمی ننگے کا جو رسم الخط ہے
پھُولوں میں پتنگے کا جو رسم الخط ہے
اشرافِ زمانہ میں بہت ہے مقبول
مجھ جیسے لفنگے کا جو رسم الخط ہے

مخلوقِ خدا دیکھ کے کہتی ہے یہ میرؔ!
جِس نے ہے لکھا ہو گا وہ پہنچا ہوا پیر
اک خلوتیِ خاص کا خط لگتا ہے
مجھ جیسے لفنگے کا یہ طرزِ تحریر

ہم نیک ہی کاموں کا تہیّہ تھے کیے
چُن کر ہی تو کارِ خیر، بھیّا! تھے کیے
مَولیٰ نے کرم خاص سے ورنہ ہم کو
اسبابِ گناہ سب مُہیّا تھے کیے

یارو! ہمّت کو اپنی جانچے میں ہوں
تم جن میں تھے، وہ توڑتا سانچے میں ہوں
ساحل کے تو کر رہے ہو سجدے تم لوگ
طوفانوں کے مارتا طمانچے میں ہوں

تصویروں میں جو عیب ہے بڑھ کر دیکھو
پھر نُقص رُباعیوں کے اندر دیکھو
سونے کی میں تلوار بنا کر لوگو!
لو ہے کا بنا رہا ہوں زیور دیکھو

کہتی ہے پھلانگ کا فسانہ لنگڑی
گاتی ہے چھلانگ کا ترانہ لنگڑی
نقّاشی و خطّاطی تو بیساکھی ہیں
ہے میری انائے شاعرانہ لنگڑی

میری یہ اَنائے شعر، اہلِ دانش!!
مجروح تھی اور اس میں نہیں تھی تابش
تو بِسترِ اوراق پہ ـنقّاشی نے
خطّاطی کے تیل سے کی اس کی مالِش

میں تو نہیں پر جام رہے گا میرا
مرکر بھی یہاں کچھ کام رہے گا میرا
بالفرض جو شاعروں میں باقی نہ رہا
تُک بَندوں میں تونام رہے گا میرا

اے دوست! نہ شاعر نہ مصوّر میں ہوں
اک مسئلۂ باطِن وظاہر میں ہوں
شاعر مجھے نقّاش سمجھتے ہیں مگر
نقّاش یہ کہتے ہیں کہ شاعر میں ہوں

ان دونوں ہی چیزوں میں ہے میری تقصیر
تو اُس کو چھپانے کی یہ کی ہے تدبیر
میں شعر مُصوّر کو سنا کر اپنا
شاعر کو دکھاتا ہوں پھر اپنی تصویر

دشمن ہے توَے پہ زَر کے سِکنے والا
میں اپنے اصول پرہوں ٹِکنے والا
سِکوں کی وہ جھنکار میں ہوتا ہے فروخت
میں دل کی ہوں دھڑکنوں میں بکنے والا

مہ پاروں کی تاثیر جمال اے ساقی!
لوحوں پہ ہے تصویر کمال اے ساقی!
زردار جو پوچھتا ہے اِن کی قیمت
زردار کو محفل سے نکال اے ساقی!

ہرچند بہت ہی بے تُکے ہیں مرے ہاتھ
کب شکل نگاری میں رُکے ہیں مرے ہاتھ
بچپن سے شبانہ روز لکھتے لکھتے
اس عُمر میں اب سُوجھ چکے ہیں مرے ہاتھ

فَن کی چَل تو رہی ہیں ریڑھی یارب!
سَطریں لکھتا ہوں ٹیڑھی میڑھی یارب!
لکھتے ہوئے آیاتِ جنوں بچپن سے
اب اُنگلیاں ہوچکی ہے ٹیڑھی یا رب!

لیلائے فنون کی نشانی کیا تھی؟
خطّاطی و تصویر بنانی کیا تھی؟
بے چینی میں جاگ کر گذاری میں نے
اِک ہجر کی شب تھی، زندگانی کیا تھی؟

گلشن کے نظارے میں بھی میں سوچتا ہوں
ہاں وقت کے دھارے میں بھی میں سوچتا ہوں
پہلے فقط زندگی پہ کرتا تھا میں غور
اب موت کے بارے میں بھی میں سوچتا ہوں

مُجھ کو وہ مری قدر بتادیتی ہے
نظروں کو عقیدت میں بچھا دیتی ہے
بکتا ہے اگر شیخ جو گالی تو بکے
اُس کی مجھے بیٹی تو دعادیتی ہے

کل جس کے میں مضمون میں مَعتُوب مِلا
دُشنام کا موضوع اُسے خوب مِلا
قدرت ہے خدا کی اُس کی بیٹی ہی کا آج
تعریف میں میری مجھے مکتوب مِلا

اُس کوچے میں ہر قدم پہ تھم کر گذرے
رنگین مقامات پہ جم کر گذرے
بَدنامی کے خوف سے جو تم سے نہ ہوا
رُسوائی کے شوق میں وہ ہم کر گذرے

اک شانِ حقیقت ہے مجازِ مِینا
ہم کب سے اُٹھا رہے ہیں نازِ مِینا
مَولٰی کے کرم خاص کے باعثِ ہم سے
ہوتی ہی نہیں قضا نمازِ مینا

لکھتا ہوں کبھی کبھی ۔ ہمیشہ تو نہیں
میرا قلم مزدور کا پیشہ تو نہیں
اہلِ ہَوس بے سُود ہیں مُجھ سے ناراض
خطّاطی مرا شوق ہے، پیشہ تو نہیں

حاسِد کی نگاہ میں تو جھپکی آیَت
تو خونِ جگر کی طرف لپکی آیت
اَلواح پہ پیچ وخم اَبجد کو لئے
پھر میری ان اُنگلیوں سے ٹپکی آیت

صحراؤں میں لالہ زار جیسے ساقی!
ویرانوں میں شالامار جیسے ساقی!
قلموں میں مراقلم ہے بالکل ایسے
چُھریوں میں ہو ذوالفقار جیسے ساقی!

بھنگی ٹولے میں اَگنی مَندر جیسے
نالی کے ہو سامنے سمندر جیسے
بستی کے ''مُصوّروں'' میں ایسے میں ہوں
ٹھیکیداروں میں ہو قلندر جیسے

خطّاطی میں جو میں نے ہے کی گُل ریزی
جس پر ہے مزاجِ کاتباں میں تیزی
اس پر مجھے داد اُن کو ڈپٹ ہی دیتے
آج ہوتے اگر میر علی تبریزی

اَلوان کے ایوان میں کیا کیا لکھتا
خطّاطی کے میدان میں کیا کیا لکھتا
آج ہوتا جو صاحبِ ''مراۃ العالَم''
جانے وہ مری شان میں کیا کیا لکھتا

جن کو نہیں آتی خس و خاشاک کی بات
اُن کو نہ بتا وسعتِ افلاک کی بات
کیا سمجھیں گے چاہِ بُوجَہل کے مینڈک
پروازِ عقابِ شہؐ لولاک کی بات

اب تو وہ نہتّا ہے کروں کیا ساقی
اَب بخشتا ہوں اُس کو کہ ہوں آفاقی
دشمن کے توٹوکرے میں پتھر ہوئے ختم
میرے ترکش میں تیر سب ہیں باقی

خطّاطی ہوں صبح وشام کرنے والا
نقّاشی ہوں میں مُدام کرنے والا
میں جُملہ فنون میں بہ فضلِ ربّی
ہوں خونِ جگر سے کام کرنے والا

اللہ کے ہم نام لکھا کرتے ہیں
اہلِ ہَوس اوہام لکھا کرتے ہیں
اور اپنے ضمیر کی سیاہی سے یہ لوگ
خط میں ہمیں دُشنام لکھا کرتے ہیں

اُستادوں نے تو آنکھ دکھائی ساقی!
نقّادوں نے تیوری چڑھائی ساقی!
غالبؔ نے کلام پر تو میں نے خط پر
کچھ رُوح القُدس سے داد پائی ساقی!

کاتب حرفِ عناد دیتے ہیں مجھے
گالی اہلِ فِساد دیتے ہیں مجھے
لیکن مری خطّاطی کی اکثر آکر
جبریلِ اَمیں تو داد دیتے ہیں مجھے

تُو نے پڑھی وحشتِ نظر کے باعِث
''لاحول'' تمازتِ نظر کے باعث
ہم نے اُسی جلوے پہ کیا وِرد دُرود
اے شیخ! نفاستِ نظر کے باعث

اے شیخ! ہے قانون نظر کا ایسا
عُریانی پہ چھکا ہے تو کیسا کیسا
یہ تیری نگاہ کا ہے فرمہ جیسا
ڈھل جاتا ہے کیسا ہی ہو جلوہ وَیسا

بَد بیں سُوئے باغ آتا ہے، سب کو سمجھاؤ
بیلوں سے یہ کہہ دو کہیں جا کر چھپ جاؤ
کھلتی ہوئی کلیوں پہ بھی چادر ڈالو
سیبوں کے درخت کو بھی بُرقع پہناؤ

مُلّا ذاتِ خدا سے ڈرتا ہی نہیں
آئینۂ عرفاں میں سنورتا ہی نہیں
اک جلوۂ پُرنور کو کہتا ہے نجس
سانچے کو نظر کے پاک کرتا ہی نہیں

کپڑا ہی ہے کیا جسم بشر کا پردہ
کوئی نہیں چشمِ فتنہ گر کا پردہ
پھر جلوۂ عریاں کو بھی دیکھے مستور
واعظ کو نصیب ہو نظر کا پردہ

تصویروں میں شکلیں، پُروقار و پُرنور
تجھ کو نظر آتی ہیں فحش، عقل سے دُور
جلوہ اگر ڈھل جاتا ہے عریاں واعظ!
تو تیری نگاہ کے ہے سانچے کا قصور

بَد بیں کو تو کیا خاک نظر آتا ہے
نظروں ہی کا پیچاک نظر آتا ہے
اور طرزِ نگاہ میں نجاست کے سبب
ہر جلوہ ہی ناپاک نظر آتا ہے

اَصنام کا پھر جلوۂ بیباک کرے
پھر حُسن حقیقت کا وہ ادراک کرے
بس آنکھ کے دھونے سے تو بنتی نہیں بات
زاہد سے کہو اپنی نظر پاک کرے

ہیں اہلِ قبا، حُسن سُخن پر برہم
ہیں میری مُصوّری کے فن پر برہم
جن لوگوں کی رہتی ہیں برہنہ رُوحیں
کیوں ہیں مری عریانیِ تن پر برہم؟

راجہ ہیں بدن اور ہیں بھنگی رُوحیں
کرتی رہتی ہیں خانہ جنگی رُوحیں
ملبُوس قباؤں میں ہیں جن کے اَجسام
ہیں دشتِ ہوس میں ان کی ننگی رُوحیں

تصویروں میں ہے حُسن نمایاں ساقی!
ان کو تو وہ یوں کہتے ہیں عُریاں ساقی!
خوددیدۂ سالُوس کی بیباکی میں
عُریانی کے زاویئے ہیں پنہاں ساقی!

کرپاک نظر، آنکھ کو مل کر اے شیخ!
عریانی پہ کربات سنبھل کر اے شیخ!
جَلوے کی تو سادگی ہی ننگی ہوتی
سانچے میں تری نظر کے ڈھل کر اے شیخ!

چکّر نہ کوئی نَڑی تھی چھوڑی میں نے
پھر حُجروں میں ہڑ بڑی تھی چھوڑی میں نے
لاہور میں مچ گئی ہے اُس سے ہلچل
چھوٹی سی جو پھُل جھڑی تھی چھوڑی میں نے

بھرتا ہوا رنگ ہوں اکیلا یارب!
میں مَست وملنگ ہوں اکیلا یارب!
نَرغے میں یہاں خود وِزرہ والوں کے
میں ننگ دھڑنگ ہوں اکیلا یارب!

ہائے مُفتی شہر نے تو فتوی بھیجے
اور مجھ کو حَسینوں نے لفافے بھیجے
نیلے کا غذ پہ اپنے کچّے خط میں
فن پر مرے لکھ لکھ کے قصیدے بھیجے

غزلوں سے غزالوں میں بہت ہوں مقبول
رنگین رسالوں میں بہت ہوں مقبول
میں پگڑیوں والوں میں بڑا ہوں مَلعون
اور گیسوؤں والوں میں بہت ہوں مقبول

ہوں شرع کا پندار، نہ سمجھے مُفتی
اپنا ہی سا اے یار! نہ سمجھے مُفتی
بے دین ہوں، خدشہ ہے، وضع سے میری
مجھ کو کہیں دیندار نہ سمجھے مفتی

طرّار اور چالاک نہیں ہوں واعظ!
اِس اَمر میں بیباک نہیں ہوں واعظ!
مسجد میں اگر جاؤں تو کیسے جاؤں؟
ہوں صاف مگر پاک نہیں ہوں واعظ!

مُلّا انگور کر رہے ہیں پکّے
سب وعدۂ حُور کر رہے ہیں پکّے
دے دے کے فقیر پر وہ کچّے فتوے
جنّت میں قصور کر رہے ہیں پکّے

مومن تو ہیں ظاہر ہی بظاہر ہر ساقی!
اِس پر مجھے آتی ہے ہنسی پھر ساقی!
اندر سے جو کافر ہیں، ہیں برہم مجھ سے
اِس پر کہ میں باہر سے ہوں کافر ساقی!

حق کی میزاں میں کذب تولوں ؟ واعظ!
میں کیوں درِ مصلحت کو کھولوں ؟ واعظ!
میں اس لئے پیتا ہوں شرابِ انگور
جب بھی بولوں تو سچ ہی بولوں واعظ!

مَے کے لئے زاہد جو ہے کیا کہتا ہے
الفاظ خراب حد سے سِوا کہتا ہے
پی کے جسے سچ ہی بولتا ہے بندہ
وہ ایسی دوائی کو بُرا کہتا ہے

ہر چند کے ہے مارکسؔ کا ہی خبط مجھے
اَبجد کی نگارش پہ نہیں ضبط مجھے
عشق اور وراثت ہی کی مجبوری میں
خطّاطی آیات سے ہے رَبط مجھے

میں لینن وٹراٹسکی کا ہو کر ہمزاد
اس دَور میں، جو دوَر ہے دورالحاد
آیاتِ جمال جو ہوں لکھتا، اُس پر
مجھ کو یہاں گالیاں ہیں دیتے اُستاد

اے اہلِ ریا! خوب یہ معلوم بھی ہے
دل والوں کا محبوب ہے، معلوم بھی ہے
ہو جس کو مغلّظات دیتے دُشنام
پہنچا ہوا مجذوب ہے، معلوم بھی ہے

تصویر کے آیا ہے برابر حاسد
گالی مجھے دے رہا ہے بڑھ کر حاسد
ننگی نظر آرہی ہے اُس کی مجھے رُوح
جامے سے نکل گیا ہے باہر حاسد

اچھا مجھے کیا خاک کہے گا واعِظ
"تھا میکشِ بیباک" کہے گا واعظ
مرنے پہ مرے روئیں گے مہ وش، لیکن
"خس کم تو جہاں پاک" کہے کا واعظ

میں بُغض کے انبار سے کیا لاتا ہوں
اُس میں بھی عقیدت کی اَدا پاتا ہوں
جو زہر کہ واعظ نے ہے اُگلا اس سے
تِریاق نکالے ہی چلا جاتا ہوں

اس دَور میں یہ دیکھ تماشا اے یار!
سُن شعر و مُصوّری پہ ان کی گفتار
مُلّاؤں کا مضمون ہے فن اور فنکار
کیا قُربِ قیامت کے ہیں یہ بھی آثار؟

زہاد نے رَہ میں مری بوئے جو بَبُول
قُدرت نے اُگائے ہیں بنا کر وہ پھول
پگڑی والوں کی بددعائیں یعنی
اُلٹی کر کے خدانے کرلی ہیں قبول

بَندے کو خراب ہے سمجھتا زاہد
سَر تا پا عذاب ہے سمجھتا زاہد
بس یوں کہ یہ پانی ہے کٹورے میں مرے
زَمزَم کو شراب ہے سمجھتا زاہد

اُس کے بھی غرور وسرگرانی کی ہے حد
میری بُھی ہیچ مدانی کی ہے حد
زَمزَم بھی اگر پیوں تو کہتا ہے شراب
زاہد کی بھی مجھ سے بد گمانی کی ہے حد

میں آتشِ مَے سے اپنا رختِ ہستی
اے دنیا! جلاتا ہوں بوقتِ مستی
نکلے جو کھری فکر کا اُس سے سونا
تو کھوٹی کسوٹی پہ ہے اُس کو کستی

میں پھر بھی مگر خونِ جگر سے ہر کام
لوحوں پہ شب وروز ہوں دیتا انجام
لعنت کے، ملامت کے علاوہ گرچہ
ملنے کا نہیں کوئی بھی مجھ کو انعام

کھانے میں نہ تو پیش نہ پس شیخ کو ہے
روٹی کی طلب ہے تو وہ بس شیخ کو ہے
مجھ کو تو ہے بس دخترِ انگور سے عشق
اور دُخترِ گندم کی ہَوس شیخ کو ہے

جونا رہے اُس نُور سے میرا ہوا عَقد
فردوس کی اُس حور سے میرا ہوا عقد
زہّاد نے کی دُخترِ گندم اَغوا
اور دُخترِ انگور سے میرا ہوا عقد

دیں بیچ کے جو کھاتے ہیں جو کھانے کیا کیا
اسلام کے کرتے ہیں بہانے کیا کیا؟
دیتے ہیں قلندری پہ میری فتوے
حجروں میں جو کررہے ہیں جانے کیا کیا

روحانی سفینے میں نہیں کھاتا ہوں
عرفانی قرینے میں نہیں کھاتا ہوں
مُلّا کھاتا ہے ایک دن میں جتنا
میں ایک مہینہ میں نہیں کھاتا ہوں

یہ تو نہیں، قدرت کا اشارہ نہ ہوا
میں پھر چلا سُوئے کُفر، یارانہ ہُوا
اسلام سے بندے کا مُشرف ہونا
اسلام کے مُفتی کو گوارانہ ہوا

یارب! یہاں مومن کا گذارا ہی نہیں
کافر ہی رہوں گا ۔ کوئی چارا ہی نہیں
ہونا اگر میں چاہوں مسلماں سچّا
یہ جھوٹے مسلماں کو گوارا ہی نہیں

لوکر چکا صادقینؔ ترکِ اسلام
خطّاطی نہیں، اب ہے بناتا اَصنام
ماتھے پہ وہ اب کھینچ رہا ہے قشقہ
کل لوح پہ لکھتا تھا جواللہ کے نام

پھر کیا کیا؟ کچھ شیخ جوآئے، میں نے
خیمے کے وہ باہر ہی بٹھائے میں نے
اور جلدی ماتھے پہ بناکر قشقہ
سجدوں کے نشانات چھپائے میں نے

534834/22.1.08

زہاد کے لَب پر بھی ہیں میری باتیں
مَحراب کے اندر بھی ہیں میری باتیں
مَیخانوں کے ''کاوٗنٹر'' سے آگے بڑھ کر
اب تو سرِ منبر بھی ہیں میری باتیں

زہاد پہ طاری رہیں میری باتیں
ہلکی نہیں، بھاری رہیں میری باتیں
مسجد میں تو کل وَعظ میں زیرِ محراب
مِنبر سے بھی جاری رہیں میری باتیں

واعظ جو ہے اس روز خدا ہوتا ہے
کافر مجھے کہتا ہے، خفا ہوتا ہے
جمعے کا تو دن، بعدِ نمازِ جُمعہ
بندے کے لئے روزِ جزا ہوتا ہے

ہاں تیز ہے، طرّار ہے دیکھو کیسا؟
ہر بات میں ہشیار ہے دیکھو کیسا؟
حُجرے میں ہے کچھ اور سرِ منبر کچھ ہے
مُلّا بھی اداکار ہے دیکھو کیسا؟

رَہزن ہوں پہ رہ نُما سمجھتے ہیں مجھے
صَرصَر ہوں مگر صَبا سمجھتے ہیں مجھے
جو کچھ میں ہوں مجھے خبر ہے اور لوگ
مِنجُملۂ اَولیا سمجھتے ہیں مجھے

اس اپنے معاشرے میں کیا ہوتا ہے
ظاہر جو ہے باطن سے جدا ہوتا ہے
یعنی کہ منافقانہ قدروں کے سبب
بد اچھا اور بدنام بُرا ہوتا ہے

دیتے ہیں حسیں، پھولوں کی ڈالی مجھ کو
اور اہلِ نظر کہتے ہیں عالی مجھ کو
اس شہر کا ہر ایک مقامی اخبار
لکھتا ہے مغلّظات گالی مجھ کو

بولی قوم ثُمود، باقی کب ہے
اِلہام کا اب وَرُود باقی کب ہے
خطّاطی صادقین اعلیٰ ہے مگر
اب اُس میں وہ دم درود باقی کب ہے

تصویر دکھانے میں مزا اور ہی ہے
خطّاطی بنانے میں مزا اور ہی ہے
یاروں کی خوشی میری خوشی ہے، لیکن
دشمن کو جلانے میں مزا اور ہی ہے

اے اہلِ غرض ! مانا کہ جی لیتے ہو
دامانِ منافع کو بھی سی لیتے ہو
جس قوم کو میں اپنا پلاتا ہوں لہو
اُس قوم کے تم خون کو پی لیتے ہو

پتھر نہیں، میں لعل و گُہر بیچتا ہوں
تیری طرح کب لے کے میں زر بیچتا ہوں؟
مہنگا جہاں بک رہا ہے گدلا پانی
میں مُفت وہاں خونِ جگر بیچتا ہوں

حق گوئی ہے نورِ عین جاری تجھ کو
عرفاں کی ہر زیب وزین جاری تجھ تک
جو سلسلہ منصورؔ سے سرمدؔ تک تھا
سرمدؔ سے ہے صادقین جاری تجھ تک

حق نے جو دماغ کو کیا ہے روشن
پھر میں نے ایاغ کو کیا ہے روشن
شمعِ منصورؔ کو فروزاں کرکے
سرمدؔ کے چراغ کو کیا ہے روشن

جب ہوں ہی میں کافر تو بتاتے کیوں ہیں؟
اصنام پہ نظروں کو جماتے کیوں ہیں؟
جب میں نہیں جاتا کبھی مسجد کی طرف؟
ملّا مرے بت کدے میں آتے کیوں ہیں؟

مَے خانے میں واعظ کا بُلانا مجھ کو
گوشے میں پھر اک جام پلانا مجھ کو
اور میرا وہ انکار کہ بدلے میں کہیں
پڑجائے نہ مسجد میں بھی جانا مجھ کو

خَط کے اور رنگ کے پڑے ہیں پیچھے
مجھ مَست و مَلنگ کے پڑے ہیں پیچھے
کتنے ہی یہاں اہلِ قبا، جھاڑ کے ہاتھ
مجھ ننگ دھڑنگ کے پڑے ہیں پیچھے

عارف کو تو ہے مجھ سے محبت ساقی!
لیکن ہے منافق کو عداوت ساقی!
لاہور سے مجھ کو بھی ہے ہونے والی
دلّی سے جو سرمدؔ کو تھی نسبت ساقی!

جب شیخ عبادت پہ بہت نازاں تھا
اور اپنی طہارت پہ بہت نازاں تھا
تو اس کی طہارت کے طریقے سُن کر
میں اپنی نجاست پہ بہت نازاں تھا

تن کے لئے احکام دقیقہ بھی سناؤ
غُسلِ مخصوص کا سلیقہ بھی سکھاؤ
نظریں برا کام کر کے طاہر ہوں مجھے
اے اہلِ شریعت وہ طریقہ بھی بتاؤ

جو شرع کا کر رہے ہیں دَھندا وہ جناب
یوں ڈال کے اک کالا سا پھندا وہ جناب
خود نکلے ہیں پاک صاف ہو کر لیکن
حمّام کو کر گئے ہیں گندا وہ جناب

زاہد حدِ ایّام سے ہو کر گذرا
فارغ وہ عجب کام سے ہو کر گذرا
پھر دائرۂ شرع کے مرکز کی طرف
وہ خانۂ حمّام سے ہو کر گذرا

یہ اور ہی ہے بات کہ اقوال ہوں ٹھیک
دل تو ہو غلط اور خد وخال ہوں ٹھیک
جب میرے ہی کرتوت نہایت ہیں خراب
واعظ کے ضروری نہیں اعمالِ ہوں ٹھیک

جب راہِ شرع پر میں چلا اے ساقی!
تو خود کو بہت پاک کیا اے ساقی!
پڑتے ہوئے پانی کی رگڑ سے تن پر
پھر آنے لگا مجھ کو مزا اے ساقی!

واعظ! تو ہراک بات میں بَل ڈالتا ہے
عرفان کے پھولوں کو کُچل ڈالتا ہے
کب تیری نماز میں، میں ہوتا ہوں مُخل
تو کیوں میری مَستی میں خلل ڈالتا ہے

تم کو تو ہے حلوے کا سہارا اسلام
اور ہم کو ہے نور کا مَنارا اسلام
وہ تو ہے بہر کیف تمہارا اسلام
اور یہ ہے بہر حال ہمارا اسلام

جو آج مُنڈا سے ہیں، لنگوٹے ہوں گے
ہم ہوں گے کھرے اور یہ کھوٹے ہوں گے
مینا بکف ہم رند اٹھیں گے سرِ حشر
واعظ جو ہیں تھامے ہوئے لوٹے ہوں گے

پھر تھا میں کوثر کی اتر جائیں گی
یاڈوب کے تسنیم میں مرجائیں گی
مُلّاؤں کو۔ مُلّا اگر جنت میں گئے
حوریں اگر دیکھیں گی تو ڈر جائیں گی

ہر نقش میں تھا جلوۂ ایماں ساقی
آکر ہوتے مایوس و پریشان ساقی!
کل میری نمائش میں بڑے مولوی آئے
یہ سن کے کہ تصویریں ہیں عریاں ساقی!

حرفِ غیرت مٹا گیا ہے پانی
نقشِ وحشت بنا گیا ہے پانی
سن کر مری تصویروں کے دو اک عنوان
ملّاؤں کے منہ میں آگیا ہے پانی

کب شرق کے اور غرب کے پیوند میں ہے
مہ پاروں کے لیکن دلِ خور سند میں ہے
مجھ بندۂ درویشِ خدا مست کا گھر
دِلّی نہ صفاہائے نہ سَمر قند میں ہے

البرز نہ الوند کا باشندہ ہوں
دِلّی نہ سَمرقند کا باشندہ ہوں
ساری دنیا مرا وطن ہے۔ یعنی
میں ارضِ خدا وند کا باشندہ ہوں

خود اپنے کفن کو میں سیئے آیا ہوں
شہر وں سے مئے حُسن پیئے آیا ہوں
یہ سوچ کے اک اچھی جگہ مر جاؤں
لاہور میں مرنے کے لئے آیا ہوں

اس شہر کے لوگوں کو صدائیں دینے
ہاں بدلے وفاؤں کے وفائیں دینے
پہنچا ہوں بزرگوں کو میں کرنے کو سلام
آیا ہوں حسینوں کو دعائیں دینے

اَفلاک کے تولے لئے تارے میں نے
پردولتِ دنیا کے ٹپارے میں نے
اس اپنے قلندرانہ شیوے کے سبب
نوکِ پاپوش پر تھے مارے میں نے

دَولت کا فلک راہ میں بچھا ہی رہا
شہرت کاقمر مجھ کو بلاتا ہی رہا
میں کوچۂ محبوب سے نکلا ہی نہیں
میں کوچۂ محبوب میں بیٹھا ہی رہا

گرمی میں اسی قسم کی لُوآتی ہے
سردی میں بھی ویسی ہی نُموآتی ہے
میں نے تو یوں لاہور میں ڈالا ہے پڑاوَ
لاہور میں دلّی کی سی بو آتی ہے

چھوڑوں کیوں کر میں گلستانِ لاہور؟
کانٹے اور پھول ہیں نشانِ لاہور
مجھ پر برہم ہیں واعظانِ لاہور
لیکن خوش تو ہیں مہ وَشانِ لاہور

جب سُن لی وَزیروں کی کہانی میں نے
شاہوں کی جوتھی بات نہ مانی میں نے
اورنیلم و یعقوت میں تلنے کی بجائے
شہرِ جاناں کی خاک چھانی میں نے

حاکم مجھے اک جہان دینے کو چلا
اپنا حرم اور نشان دینے کو چلا
ان سب پہ ہی اک مار کے ٹھوکر پھر میں
شہرِ جاناں میں جان دینے کوچلا

ماضی کے نہیں ، حال کے ہوں طَور میں، میں
اس دَور کا خطّاط ہوں اس دَور میں، میں
پہلے کبھی بغداد میں یاقوتؔ بھی تھا
موجودہ زمانے میں ہوں لاہور میں، میں

نقّاشی کی اندور کا پانی پی کر
کی شاعری بجنور کا پانی پی کر
جب مرکزِ خطّاطی میں آیا، میں نے
خطّاطی کی لاہور کا پانی پی کر

اس شہر کو کچھ اور سجایا میں نے
اَبجَد کانیا طور بنایا میں نے
خطّاطی میں، بغداد کے آئینے میں
لاہور کو، لاہور دکھایا میں نے

اس شہر میں رہتے ہوئے میں نے صبح وشام
اس پر کہ جو خطّاطی میں ہوں کر چکا کام
بغداد کو لاہور کی جاتی ہے دعا
لاہور کو بغداد کا آتا ہے سلام

ابنِ مُقلہ کی تختی بھی پرکھ لی میں نے
یاقوت کی روشنائی چکھ لی میں نے
بغداد و دمشق کے مقابل، پھر یوں
لاہور کی کچھ لاج تو رکھ لی میں نے

اک خط نیا ایجاد کیا ہے میں نے
یاقوت کا دل شاد کیا ہے میں نے
اس دور میں لاہور کو خطّاطی میں
ہم پلّۂ بغداد کیا ہے میں نے

جو خط کیا لاہور میں میں نے ایجاد
اس کی ملی کچھ مشرقِ وسطیٰ میں داد
اس بات پہ لاہور کو کرتے ہیں سلام
شیراز و دمشق و قاہرہ و بغداد

شیخانِ خلیج تو دکھاتے رہے مال
دنیا کے حسینوں کا بلاتا تھا جمال
اور میں یہاں اس عمر کے گالی کھا کر
لاہور کو دے چکا ہوں پورے دس سال

یاں آیا تو حق ہی کہہ گیا ہے وہ شخص
دُشنام عُدو بھی سہہ گیا ہے وہ شخص
جس کے لئے دنیا کا ہر اک شہر تھا وا
لاہور کا ہو کے رہ گیا ہے وہ شخص

اس شہر کے سب زُہرہ جبیں چاہتے ہیں
تاعمر میں رہ جاؤں یہیں چاہتے ہیں
لیکن مرا اک دن بھی یہاں پر رہنا
اس شہر کے استادنہیں چاہتے ہیں

یاں خود تنِ تنہا ہوں، حقیقت ہے حضور!
کب اعلیٰ ہُنر وروں کی قربت ہے حضور!
جو مائیکل انجلو کورُومہ سے تھی ہاں
لاہور سے مجھ کو وہی نسبت ہے حضور!

لاہور میں، میں نے شاعری کی یارو!
کچھ ایسے ہی میری ہر رُباعی یارو!
ہاں مثنویٔ ''بادِ مخالف'' جیسے
کلکتّے میں غالبؔ نے لکھی تھی یارو!

خوش ہیں شب بے نُور کی تاریکی میں
نزدیک کی اور دُور کی تاریکی میں
خطّاطی کے قمقمے کیے ہیں روشن
ہم نے شبِ دیجور کی تاریکی میں

اُن کی جو ہیں گُل ہائے وفا باس آئی
دل والے اور ہر شوخ ادا پاس آئی
مجھ حُسن پرست نے جو دلّی چھوڑی
لاہور کی پھر آب و ہوا راس آئی

دلّی سے وہ جارہا تھا جس دم قندھار
لاہور کی مہ وشوں پہ، سُن تو اے یار!
میں نے ہی نہیں۔ مجھ سے تو صدیوں پہلے
تھے طالبؔ آملی نے لکھے اشعار

کہہ سکتا ہوں صاف صاف جیسے میں ہوں
اب منزلِ معرفت میں کیسے میں ہوں؟
جیسے کبھی دلّی میں تھا، سرمدؔ، بالکل
لاہور میں اِس دَور میں ایسے میں ہوں

اس دَور میں مجھ پر بھی بپھرتے ہیں رہے
ذہنوں میں وہ زہرِ کذب بھرتے ہیں رہے
پہلے بھی قلندروں سے اہلِ سالوس
ایسا ہی سلوکِ خاص کرتے ہیں رہے

وہ چھوڑ کے خود اپنی گلی آئے تھے
لکھتے ہوئے آیاتِ جلی آئے تھے
لاہور میں اب میں ہی نہیں آیا ہوں
لاہور میں پہلے بھی ولی آئے تھے

قَندھار سے اک وزیر آیا تھا کبھی
غَزنی سے کوئی امیر آیا تھا کبھی
اَمروہہ ہے سے صادقین نامی بھی مگر
لاہور میں اک فقیر آیا تھا کبھی

"کافر" جہاں کہتے تھے نمازی ہم کو
"بد" کہتے تھے گفتار کے غازی ہم کو
اس شہر سے جاتے ہوئے یاد آتی ہے
مہ پاروں کی مہمان نوازی ہم کو

اِس کی بھی اور اُس کی بھی ادا یاد کروں
سَب گیسُوؤں والوں کی وفایاد کروں
اس شہر سے چلتی ہوئی اس گاڑی میں
اک دل سے میں کس کس کو بھلایا دکروں

پھولوں کی ملی بلخ میں تھالی مجھ کو
بغداد میں زیتون کی ڈالی مجھ کو
لاہور میں دی گئی ہے لیکن اے دوست!
خطّاطی کے اعجاز پہ گالی مجھ کو

حال آج تو ناساز کرے گا لاہور
گالی سے سرفراز کرے گا لاہور
لیکن میں یہاں آ کے رہا تھا کئی سال
اس بات پہ کل ناز کرے گا لاہور



ضمیمہ

لاہور سے جو اس فقیر کو اپنے مزاج کی ایک خاص نوعیت کے باعث جو روحانی لگاؤ، عقیدت اور مابعد الطبیعاتی انداز کا تعلق ہے اس کا یہ بندۂ عاصی اکثر و بیشتر گفتار میں اشعار میں اور تحریر میں اظہار کر چکا ہے بیشتر دنیا کے ممالک کی راجدھانیاں اس کے لئے اپنی آغوش وا کئے ہوئے اور عروس البلاد اپنے دروازے کھولے ہوئے ہیں اور شہرتِ عالم اور دولتِ دنیا کو ٹھکرا کر وہ لاہور میں خاک نشینانہ انداز سے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے جب کہ یہاں اسے پڑے رہنے کی مطلق مطلق کوئی دنیوی مجبوری نہیں ہے یہاں اسے محبت اور نفرت دونوں ہی چیزیں ملیں، محبت بے پناہ ملی اور چند مفاد پرستوں کی نفرت ہزاروں ٹن محبت کی شکر میں چند تولے نمک کی پڑیا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ سرمایہ داروں کے سگانِ وفادار اس پر بھونکا کئے اور اس کا انسانی محبت کے جذبات سے لدا ہوا کاروانِ تخلیق واختراع وایجادِ فنون مستقبل کی طرف پیش قدمی کرتا چلا گیا، اور انشاء اللہ کرتا چلا جائے گا۔ اس صورتِ حال میں مولیٰ کے کرم کے ساتھ ہی ساتھ کرم فرمایانِ شہر بزرگانِ شہر اور مہ وشانِ شہر کی دعائیں بھی شامل رہی ہیں۔ ص ق ن

اس شہر نگاراں میں اس حسن پرست فقیر نے نہ جانے کتنے فنی اعتکافات کئے، خدا ہی جانے کہ کتنے خاکے بنائے، کتنی ہی روغنی تصویریں بنا دیں، خطاطیاں بے شمار کیں، رباعیاں بے دریغ اور بے حساب لکھیں، خدا کے فضل و کرم خاص سے فن میں روحانی مشغلے کے طور پر عاشقی ہی کی، خوانخواستہ کبھی مزدوری نہیں کی، شہر کے عجائب گھر کتب خانوں میں، ہسپتالوں اور درسگاہوں میں، اور دیگر عوامی عمارات میں بڑی بڑی سقفی اور دیواری تصویریں اپنی جانِ ناتواں اور مالِ قلیل سے کیں اور تحفۂ درویش کے طور پر ان مقامات پر آویزاں کر دیں۔

ہزار ہا افراد کی فرمائشیں پوری کیں اور لاکھوں لوگوں کو بسم اللہ لکھ لکھ کر، طرح طرح نمونہ ہائے نو کے ساتھ تقسیم کی فقیر بڑے اعتماد و یقینِ کامل کے ساتھ کہہ سکتا ہے:۔

کچھ میں نے محبت میں کیا کام ضرور
گو کوچۂ جانا ہے یہاں سے بڑی دُور
تصویریں لگادوں تو وہاں تک پہنچیں
اشعار جو لکھ دوں تو وہاں تک ہوں سطور

تصویریں ہیں کہ بنتی ہی چلی جارہی ہیں، خطاطیاں ہیں کہ ہوتی ہی چلی جارہی ہیں، رباعیاں ہیں کہ ان کے لئے غیب سے مضامین آتے ہی چلے جارہے ہیں اور اب آپ کو خدا حافظ کہنے سے پیشتر، چلتے چلتے جو ابھی ابھی ایک تازہ رباعی وارد ہوئی ہے وہ بھی پیش کی جارہی ہے، ملاحظہ ہو:

شاگرد کسی کا ہوں نہ استاد ہوں میں
کرتا ہوا تخلیق اور ایجاد ہوں میں
لیلائے ہُنر ہے اگر بنتِ لاہور
پھر واقعی لاہور کا داماد ہوں میں

خدا حافظ، فی امان اللہ

آپ کا: فقیر عاصی صادقین عفی عنہ

RAMPUR RAZA LIBRARY
53834
22/11/08